نورِ اسلام

زندگی صبح کا تارہ ہے کہ انوارِ سحر
عقل نے دل سے کیا صبحِ ازل استفسار

عقل خاموش رہی محوِ تکلم نہ ہوئی
مطلعِ زیست پہ محسوس کیا اس نے غبار

کچھ نرالا ہی لگا باغِ جہاں کا انداز
اپنے اوصاف میں کمزور خزاں تھی نہ بہار

اس نے دیکھا کہ گلِ تازہ ہے انساں لیکن
ہیں قریبِ رگِ جاں خون میں لتھڑے ہوئے خار

ایسی بے نور لگی شمس و قمر کی صورت
جیسے اک شمع بھڑکتی ہو سرِ لوحِ مزار

یہی ابہام بنا زیست کا عنوان آخر
اسی ابہام نے دنیا کو کیا تیرہ و تار

کوئی شے وجہِ سکونِ دلِ انساں نہ بنی
نہ کوئی شغل ہوا راحتِ جاں، وجہِ قرار

نوکِ نشتر کی طرح پھول چبھے سینوں میں
آگ کے ڈھیر نظر آئے گلوں کے انبار

امن کے نام پہ ملتی رہی تلوار کو آب
خونِ انساں سے رہا دامنِ انساں گلنار

اور تیکھے ہوئے تخریب کے تیکھے خد و خال
اور دھندلے ہوئے تہذیب کے دھندلے آثار

خانقاہوں میں رہی محوِ فغاں درویشی
خون کے جام لنڈھاتا رہا شاہی کا وقار

انہی بے کیف فضاؤں میں گزرتی تھی حیات   جیسے اجڑی ہوئی بستی میں کھنڈر کی دیوار
اپنے شہکار کو دیکھا جو خدا نے مغموم   اس کے سینے میں ہوا جذبۂ رحمت بیدار
کوہِ فاراں پہ ہوا نورِ محمدؐ کا ظہور   جس کی کرنوں سے ملا چہرۂ گیتی کو نکھار
دورِ تشکیک گیا عزم و عمل جاگ اٹھے   جہل اور حرص پہ غالب ہوئے علم و ایثار
طنطنہ ختم ہوا، رات کی تاریکی کا،   ہر طرف پھیل گئے صبح کے دلکش انوار
اب خزاؤں کو ملا حکم کہ محدود رہیں   کسی نورستہ شگوفے کو نہ چھیڑیں زنہار
ٹوٹنے پائیں نہ شبنم کے رو پہلی موتی   ہر کرن ایسی توجہ سے کرے اپنا سنگار

اہلِ ایماں جو بڑھے لے کے صداقت کے چراغ   ہو گیا عام زمانے میں مروت کا شعار
اب چکایا گیا مظلوم کے اشکوں کا حساب   اب خدا بن کے نہ بیٹھا کوئی ظالم زر دار
عدل نے خم کیا اکڑی ہوئی ہر گردن کو   منہ چھپانے لگے صحرا میں لعین و اشرار
بوئے گل پھیل گئی سب کو معطر کرنے   خاص باغوں میں مقید نہ رہی فصلِ بہار

تو اگر میرے خیالات پہ مشکوک رہے
سن کبھی غور سے توحید کی گلبانگِ ہزار
اس میں ہے عدل و مساوات و عمل کی تلقین
اس میں ہے امن کی تاکید محبت کی پکار

جناب نظر زیدی